

فکر، عمل اور شخصیت سازی میں صبر و تحمل کے کردار اور اہمیت کا تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ

A Research-based And Analytical Study of the Role of Patience and Endurance in Thought, Action And Personality-Building

Published:

28-12-2020

Accepted:

26-11-2020

Received:

25-10-2020

Muhammad Iqbal

Lecturer, Department of Islamic & Arabic Studies,
University of Swat

Email: iqbalkurvi@gmail.com

Dr. Rizwan Ullah

Assistant Professor, Islamic studies, Bacha Khan
University Charsadda

Email: maimanrz@gmail.com



Abstract

In this modern era, most of us have forgotten to behave patiently and get irritated very quickly over minor things like a traffic jam, stock market ups and downs, a baby crying and such things. In fact, patience is a virtue that everybody must possess. Patience makes us better people. Building empathy towards others is very important if you want to live a hassle-free life. Patience helps you build empathy towards others. Patience helps us accept other people as they are and makes us tolerant. By being impatient, you suffer more than other people. To shape your talents and inborn abilities into real achievements, you must have patience. Whoever wants to lead a higher life must cultivate patience. He must possess an open mind; and be slow to arrive at conclusions. The patient man resolutely declines to be guided by what is immediate, near at hand. In thought, he declines to form his judgments from the external appearance of things. In action, he declines to be led away by the pains and pleasures of the moment. Therefore, when joys come, he is not elated; when sorrows befall, he does not lose heart; these are just the two marked characteristics of a great man. An old proverb says, "The patient man will rule the world." It is perfectly true. At any rate, no impatient person ever achieved anything great in life. When you take things patiently, look at difficulties calmly in the face, half their power to overwhelm you is gone. Patience is the greatest ally of courage. He that possesses these two virtues needs never despair of succeeds.

Keywords: Patience, Human, Results, Success.



تعارف

انسان صاحب ارادہ اور عزم کا مصدر ہے جس کی بنیاد پر وہ زور مرہ اعمال و افعال سرانجام دیتا ہے، جس میں انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کے احوال شامل ہوتے ہیں۔ جو انسان کبھی ذاتی اور کبھی متعدی نوعیت میں صادر کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اپنے اعمال میں نہ مکمل آزاد ہے اور نہ مکمل طور پر لا تعلق ہے، ہر انسان کے ہر عمل سے مخاطب، ماحول اور گرد و نواح اپنی حد تک ضرور کچھ نا کچھ اثر اور تاثر لیتا رہتا ہے جس کی وجہ سے انسان نے ماحول میں تجرد کی بجائے اجتماع کی شکل اختیار کر لی اور اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا کہ آپ اپنے کردار اور اعمال میں تنہا نہیں بلکہ آپ کا ہر ایک عمل متعدی حیثیت رکھتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان سے ارادہ نمودار ہوتا ہے جو انسان کے عمل کی بنیاد ہے اور عمل سے انسان کی عادت بن جاتی ہے اور عادت سے شخصیت پیدا ہوتی ہے اور انسان کی شخصیت سے انسان کا ضمیر جنم لیتا ہے۔ اب انسان کا عمل یا ارادہ خواہ ذاتی ہو یا متعدی دونوں صورتوں میں صبر اور تحمل کے اخلاق سے اصلاح اور تعمیر اخذ کرتا ہے۔ صبر کے اخلاق کے بغیر انسان نہ ذات کی تعمیر کر سکتا ہے اور نہ اوصاف کی۔ صبر و حقیقت انسان کے اخلاقی تعمیر میں ارتقائی طریقہ کار سے عملی طور پر ہم راز اور ہم آہنگ بننے کا تجربہ ہے۔ صبر کوئی خارجی تعمیری عمل نہیں بلکہ یہ باطنی تعمیری عمل سے عبارت ہے۔ صبر اصلاً ارادہ کی کیفیت سے ہوتا ہے جبکہ عمل اس کے بعد کا مظہر ہوتا ہے۔ تو پھر اس تناظر میں صبر ایک واقعاتی اور حقیقی اصولوں کا نام ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق آگے جا کر فلسفہ خیر و شیر سے ملتا ہے اور انسان کے روحانی، نفسیاتی اور مادی احوال میں توافق اور توازن پیدا کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ کیونکہ انسان جسم اور فکر ہر دو حوالوں سے ایک ارتقائی مرحلہ سے گزرتا ہے جہاں اس کے لئے کوئی چیز بھی نہ مکمل طور پر حقیقی ہوتی اور نہ مکمل طور پر غیر حقیقی۔ وہ اس کے ساتھ ایک تجرباتی سفر کے بعد شناسا ہو جاتا ہے۔ اس پورے منظر میں صبر کے علاوہ اور کوئی تجربہ ممکن نہیں۔ اس اہمیت کو مد نظر رکھ کر صبر کی اہمیت اور فلسفہ سے زیر نظر مقالہ میں آگاہ رہنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس میں قرآن مجید کی نظریاتی تعلیمات کو منطقی، فلسفیانہ، صوفیانہ انداز تحقیق میں علماء، مفسرین کی ارا سے مدد ملی ہے۔

صبر کی حقیقت اور مفسرین علماء کے اقوال

قرآن مجید کی روشنی میں صبر کو قوت، استعانت اور کامیابی کے حصول کا وسیلہ اور سبب بتایا گیا ہے جیسا کہ قرآن مجید فرقان حمید اس کا اعلان کچھ یوں کرتا ہے کہ **إِنَّمَا يُؤَيِّتُ الصَّابِرِينَ أَجْرَهُمْ بِعَيْنٍ حَسَابٍ**¹ صبر کرنے سے آپ مضبوط اور قوی بن سکتے ہیں۔

التفسیرؒ نے صبر کی تعریف "فطم النفس عن المآلوفات" سے کی ہے جو نفس کی عادی اور مانوس چیزوں سے جدائی اختیار کرنے کے مفہوم میں ہے، کہ نفس کو مآلوف اشیاء سے چھوڑا کر ایک قسم کی انفصال پیدا ہو جائے۔ اس طرح صبر، نفس کی اپنی عادت سے ہجرت کرنے کا نام بھی ہے جس میں نفس خود کو اپنی پسند سے روک دیتی ہے۔²

فخر الدین الرازیؒ کے نزدیک، نفس کو لذاتِ دنیا سے روکنے کا نام صبر ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ صبر میں بطن اور فرج کو شہوت پوری کرنے سے روک دیئے جاتے ہیں اور اس روک تھام سے نفس کی کدورت زائل ہو جاتی ہے اور کدورت زائل ہونے سے نفس کی حُبِ دنیا کی عادت میں کمی آ جاتی ہے۔ نفس کو اس بات کا متحمل بھی بنانی ہوتی ہے کہ تکلیف اور شدت کی حالت میں جزع فرغ اور اظہار سے اجتناب کر سکے۔ رازی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صبر دراصل انسان کی وہ باطنی کوشش ہوتی ہے جس میں وہ ایک وصف اور قوت کے مقابلہ میں دوسری قوت اور وصف کھڑا کر دیتا ہے۔ یہ ایک باطنی

مبارزہ اور کشمکش ہوتی ہے جو انسان کے باطن میں خود انسان کے مثبت اور منفی اوصاف کے درمیان جاری رہتی ہے۔ "الصبر عبارة عن ثبات جند في مقابلة جند آخر³۔" رازیؒ کا مزید کہنا ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں صبر کرنا واجب ہے ان چیزوں پر صبر کرنا معقول اور مستحسن ہے۔ کیونکہ صبر کرنے سے اور ذکر اللہ میں دھیان رہنے سے انسان کو دنیا کی تکالیف، محن اور آفات کے بارے میں تسلی مل جاتی ہے۔⁴

ابن عُیَیْبِہ الصبر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ صبر رب کے حکم پر دل و دماغ اور قلب کو قانع کرنے کا نام ہے! کہ قلب شعوری طور پر رب کی صنعت کاری اور فیصلہ کے آگے سر خم کر کے راضی ہو جائے! اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بندہ محبوب کے بارے میں اپنی نفس کا احساس چھوڑ کر رب کے منشا کی پیروی میں عافیت سمجھا جائے! اور اسی کو شریعت نے انسانیت کے لئے بالعموم اور متبعین شریعت کے لئے بالخصوص بہتر عمل بھی قرار دیا ہے جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث ہے:

"وروی مسلم عن ضہیب عن النبی انہ قال: «عجبا لأمر المؤمن، إن أفتره كلفه خیر، وليس لك لاحد الا للمؤمن، إن أصابته سراء شكر فكان خیراً له، وإن أصابته ضراء صبر فكان خیراً له»"

صبر میں نفس کو شہائد اور محن کے لئے تیار کرنے کی عملی مشق ہوتی ہے اور نازک حالت میں پسل جانے سے روکنے کی سعی ہوتی ہے۔ نفس کو اس بات کا پابند بنائی جاتی ہے کہ مصیبت اور تکلیف کی حالت میں گلے و شکوے کا سہارا نہ لے اور اظہار تنک بھی گوارا نہ کرے۔ کیونکہ بے جا اور بے مقصد اظہار سے تکلیف اور مصیبت میں کمی اور سہولت لانے کی جگہ اور شدت میں اضافہ ہوتا ہے اور نفس کو تسلی ملنے کی بجائے گرانی محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ مصیبت کو بیان کرنے سے دراصل مصیبت ظاہر ہو جاتی ہے اور اظہار سے مزید پھیل جاتی ہے اور پھیل جانے عام بن جاتی ہے اور عام بننے سے محیط کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر ہر جگہ بندے کو اس مصیبت کے خیال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح صبر ثبات اور ثابت قدم رہنے کا نام ہے اور اس طرح صبر میں اللہ جلّ مجدہ کے حکم اور امر کا انتظار رہتا ہے کہ اب اس معمر میں اللہ جلّ مجدہ کی صنعت کیا ہے؟ کیونکہ آج بھی اللہ جلّ مجدہ اپنی مخلوق کی خبر لیتے رہتے ہیں اور روز روز نئے فیصلے صادر فرماتے ہیں⁷۔ علامہ رازیؒ لکھتے ہیں کہ اگر انسان سے کسی تکلیف میں اس طرح باتیں اور امور صادر ہو جائے جو صبر اور صابر لوگوں کے خلاف ہو اور اس وجہ سے اس کو صابر نہ کہا جاسکے لکن اس کے بعد وہ صبر شروع کرے تو اس حالت میں اس کو "سلواً" کہتے ہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے بعد صبر کرے کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ انسان ہمیشہ غموم اور تکالیف کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا۔ الحسن کا کہنا ہے کہ اگر انسان کو ہمیشہ جزع اور تکلیف کے اظہار کا مکلف بنا جائے تو پھر وہ اس کا حامل نہیں ہو سکتا لہذا جزع اور مصیبت کے اظہار سے اجتناب ہی افضل ہے۔⁸

صبر کا فلسفہ یہ ہے کہ نفوس، عادات اور مالوفات کے چھوڑنے میں صبر کا سہارا لیا جائے اور مانوسیت کو چھوڑنے کے دشوار وادیوں میں سفر کرنے کے دوران صبر سے تقویت مل جائے اور اس کے ذریعہ قوت، طاقت حاصل کر سکے تاکہ نفس صبر کی کرواہٹ سے اپنی عادت اور مالوفیت کی مٹھاس کا ذائقہ تبدیل کر سکے۔

"استعن علی نفسک بالصبر علی قطع المآلوفات"

یعنی نفس کے مالوفات اور عادات کو چھوڑنے اور قطع کرنے کا واحد طریقہ صبر کرنا ہے۔

نفس کی اصل مالوف چیز حبّ جاہ اور رناست کے حصول کا جذبہ اور خواہش ہوا کرتی ہے اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ نفس کی

فکر، عمل اور شخصیت سازی میں صبر و تحمل کے کردار اور اہمیت کا تحقیقی اور تجرباتی مطالعہ

بنیادی ذوق اور دل چسپی رتبہ اور سربراہی کا حصول بن جاتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب جاہ اور رفاقت ہمیشہ انسان کی دوسروں پر فوقیت اور برتری حاصل کرنے کی نفسیات ہوتی ہیں۔ مذکورہ نفسیات کو راہ اعتدال پر لانا ایک عقلی ضرورت کے ساتھ ساتھ ایک معاشی اور معاشرتی ضرورت بھی ہے۔ لہذا صبر کی حکمت یہ ہوتی ہے کہ انسان مذکورہ جاہ و رفعت اور ممتازیت کے کثیف جذبات کو چھوڑ کر اس کی جگہ لطافت و لینت اور عظمت کے جذبات پیدا کرے اور صبر کے ذریعہ اس میں اعتدال پیدا کرے۔ برتری کا یہ وہم اور احساس و نفسیت انسان کے تمام حظوظ اور شہوات کی جڑ اور منبع ہے۔¹⁰

صبر دراصل ایک وقتی فیصلہ ہوتا ہے جو امور کے حوالے سے فی الوقت نتیجہ حاصل کرنے کی جگہ آئندہ وقت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ بذاتِ دخل اندازی کو چھوڑ کر امور اور مسائل کی ثمرہ کو خالق کی صنعت کاری کے حوالے کر دی جاتی ہے۔ نفسیات کی مادی فلسفہ کی روشنی میں "صبر" دراصل حالات کی عدم مساعدت و ناموزونیت کے سامنے شکست کھانے کا نام ہے اگرچہ حقیقت میں یہ شکست نہیں بلکہ کامرانی اور کامیابی کے حصول کی ایک قسم کی تیاری ہوتی ہے۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے "إِصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَفْعُلُونَ وَ اذْكُرْ عَبْدًا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ" رسول اکرم ﷺ کو ارشاد ہے کہ آپ اپنی قوم کی باتوں پر صبر کا راستہ اختیار کیجئے اور حضرت داود علیہ السلام کی مثال کو بطریقہ استشاد سامنے رکھا گیا ہے کہ اللہ نے انہیں بادشاہی دی تھی، اختیار اور قوت کے ساتھ۔¹¹

صبر کی یہ حکمت بھی ہے کہ نفس ہمیشہ امور اور چیزوں کے عواقب اور انجام کے بارے میں بے خبر اور جاہل رہتی ہے۔ صبر کرنے کا اہم فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ کو کسی بھی مسئلہ اور معمہ کے نتیجہ کے حوالے سے نفس کی مذکورہ جاہلیت پر واقفیت اور آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ انجام کار کی اصل نوعیت وقت گزرنے کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ یہ وقتی فیصلہ اور نتائج کے بارے میں انتظار نفس پر گرا گزرتی ہے اور اس سے نفس پر ایک قسم کا بوجھ بن جاتا ہے، جو ضبط اور تحمل کا متقاضی ہوتا ہے۔ نفس کو صبر کی عادت کے ساتھ مآلوف کرنے اور اس مشق کرانے پر قرآن مجید نے اجر و ثواب کے ساتھ ساتھ فوز الدارین کی خوشخبری بھی سنائی ہے۔

اس حوالے سے ایک شاعر نے بہت خوب کہا ہے:

والصبر كالصبر مؤ في مذاقته!

لكن عواقبه آحلى من العسل!¹²

صبر کرواہٹ میں ایلو کی طرح ہے جو ذائقہ میں سخت کڑوا ہے لیکن اس کے نتائج تو شہد سے بھی زیادہ میٹھے اور خوش ذائقہ ہیں۔

صبر حقیقت میں "عنوان الظفر" اور کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے۔ صبر کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً ستر مرتبہ سے بھی زیادہ آیا ہے۔ جو اس سے دین اور اسلام میں صبر کی عظیم وقعت اور اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ بعض علماء کی تصریحات سے ظاہر ہے کہ ہر نیکی کا اجر و ثواب معلوم و محدود ہے لیکن صبر ایک ایسی نیکی ہے جس کا اجر اور ثواب غیر محدود ہے۔ کیونکہ اس پر ملنے والا اجر کا احاطہ ممکن نہیں، وہ مذکورہ عدم تحدید پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ "إِنَّمَا يُؤْتِي الضَّالِّمُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ"۔ کہ صبر کرنے والوں کا اجر و ثواب حساب و کتاب سے باہر ہے۔

ابن عجبیہؒ لکھتے ہیں کہ صابرین کے لئے اللہ جل مجدہ نے قرآن مجید میں آٹھ کرامات کا ذکر کیا ہے:

- 1- محبت: جیسے ارشاد ہے: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ۝
- 2- نصرت و مدد: جیسے مذکور ہے: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝
- 3- عرفات الجنّت (جنت کے کمرے) مثلاً يُجْزَوْنَ الْعُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا
- 4- الاجرا الجزيل (بے شمار اجر) جیسے، اِنَّمَا يُؤْتِي الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝
- 5- بشارت: جیسے اس آیت میں، وَكَثِيْرًا مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝
- 6- سلامتی: جیسے اس آیت سے واضح ہے، اُوْلٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ
- 7- رحمت: جیسے، اُوْلٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۝
- 8- ہدایت: مثلاً، وَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝¹³

لہذا نا موافق حالات میں حکمت یہ ہوتی ہے کہ اس سے انسان صبر کی کرامات کی طرف مائل بن جاتا ہے، یہ میلان دراصل خیر کثیر اور دین کی اصل ہے۔ صبر کا تصور اور وجود نا موافق حالات کے پیدا ہو جانے کے بعد پیدا ہو جاتا ہے۔ نفس و مزاج کے خلاف نا موافق حالات کی واقعیت کے بغیر "صبر" کا وجود ممکن نہیں۔ اس حوالے سے الرازیؒ فقال کا نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ ممکن نہیں انسان کسی شدید درد اور آلم کو محسوس کئے بغیر بھی "صبر" کا مصداق بن سکے اور اس کو صبر کرنے دوران کوئی مکروہ اور خلاف طبع امر اور حالت کا سامنا بھی نہ کرے کیونکہ صبر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ نفس کو اس بات کا متحمل بنانا کہ مصیبت کے وقت اظہار اور بیان تک بھی نہ کرے۔

"قال القفال رحمة الله ليس الصبر ان لا يجد الانسان الم المكروه و ان لا يكره ذلك لان ذلك غير

ممکن"¹⁴

صبر کے مواقع:

صبر کے عمومی طور پر چار مواقع ذکر کیئے جاتے ہیں، ایک موقع مصیبت پر صبر کرنے کا ہے جس میں صابر اپنی نفس کو جزع فزع اور مصیبت کے اظہار سے بچاتا ہے اور اپنی تکلیف کو دوسروں کے سامنے بیان کرنے کی جگہ صرف اللہ جل مجدہ سے راز بناتا ہے۔ وہ بے جا اور ہر جگہ گلے و شکوے سے خود پہ تنہی نہیں کرتا بلکہ اس حالت اور کیفیت کو یاد الہی اور خاموش زبان سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسرا موقع نعمتوں پر صبر کرنے کا ہوتا ہے، کہ منعم اپنی نعمت کی وجہ سے غفلت کا شکار نہ رہے اور مناعم میں ہو کر نفس کے ناشکری کے جذبات کی تسکین کا موقع نہ دے۔ کم از کم نعمت اور رحمت کی وجہ سے وہ سرکشی اور طغیانی اور تکبر جیسے اوصاف ذمیرہ کو نہ اپنایا جائے۔ اس طرح نعمتوں میں سغلی جذبات کا مقابلہ کر کے صبر سے کام لینا ہوتا ہے۔ تیسرا موقع اطاعت اور فرمانبرداری پر صبر کرنے کا ہوتا ہے، جس میں مداومت اور محافظت سے کام لے کر سستی اور تنابیل کا شکار نہ بن جائے۔ ان کے مؤجل ثمرات کے انتظار کو قبول کیا جائے۔ آخری موقع معاصی پر صبر کرنے کا ہوتا ہے۔ جو نفس کو معاصی کے مطالبات اور دواعی سے بچا کر ظاہری اور وقتی لطف اندوزی سے درگزر کرے اور رنگ و بو کے دل آویز اور دل فریب نوعیتوں میں بہہ نہ جائے۔¹⁵

صبر کے مراتب:

التشیرؒ صبر کے مراتب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صبر کا پہلا مرتبہ التصبر ہے اور دوسرا مرتبہ الصبر ہے

فکر، عمل اور شخصیت سازی میں صبر و تحمل کے کردار اور اہمیت کا تحقیقی اور تجرباتی مطالعہ

اور تیسرا مرتبہ مصابرہ ہے اور آخری مرتبہ اصطبار ہے۔ صبر کی حالت میں صابر کی ابتدائی حالت ہوتی ہے جس میں وہ صبر کی تکلیف سے نااشنا ہوتا ہے اور ابھی اُس کی صبر کی عادت نہیں ہوئی ہوتی ہے اور صبر کرنے میں وہ خود کو مشقت میں محسوس کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ دوسرے مرحلہ میں آجاتا ہے جو "صبر" کا ہوتا ہے صبر کی حالت میں صابر کی صبر کرنے کی عادت بن جاتی ہے اور صبر کی شدت کو اب وہ مشقت کی بجائے سہولت کے ساتھ برداشت کر سکتا ہے اسی لئے صبر کو قرآن مجید نے عزم الامور قرار دیا ہے: **وَلَكِنَّ صَبْرًا وَغَفْرًا إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ** ﴿١٦﴾

مصابرہ دراصل زندگی اور حیات کے بارے میں لاحق خوف پر صبر کی حالت کو کہتے ہیں جو صابر بدآمنی کی حالت پر صبر کرے۔ اصطبار میں یوں ہوتا ہے کہ صابر صبر کا ایک طویل تجربہ کرتا رہتا ہے اور اس میں ترقی کر کے ایک ایسی کیفیت بن جاتی ہے کہ صابر اب تکلیف محسوس کرنے کی بجائے راحت اور خوشی محسوس کرنے لگتا ہے۔ اصطبار دراصل رضا کی کیفیت ہوتی ہے جس میں انسان کے افکار اور احساسات میں منفی پہلو بالکل ناپید ہو جاتا ہے اور ان کے تمام تر خیالات اور افکار مثبت بن جاتی ہیں۔ پھر وہ کائنات کو صرف حسن و جمال کے لباس میں دیکھتا ہے۔ تمام تر واقعات اور حوادث کو مثبت اور منفی تناظر کی بجائے ان کو عدل اور احسان کی واقعیت میں دیکھتا ہے۔¹⁷

صبر کے انواع:

صبر دراصل صابر کے اعراض و مقاصد اور اہداف کی وجہ سے مختلف بن جاتا ہے۔ صابرین میں سے ایک قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو عام "عباد" تصور کیئے جاتے ہیں یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو صبر عقوبت و عذاب کی خوف کی سے کرتے ہیں۔ ان کے افکار میں صبر کا جو تصور پیدا ہوتا ہے وہ دراصل خوف کھانے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ لوگ فکری حالت میں ایک قسم کی دفاعی کیفیت میں رہتے ہیں اور احساس کے جراثیمندانہ اظہار سے ہمیشہ اعراض کرتے ہیں۔

دوسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کو "زہاد" کہتے ہیں۔ زہاد ہمیشہ مشغول، اجر اور ثواب و نیل کی طمع اور امید پر صبر سے کام لیتے ہیں۔ ان قسم کے لوگوں کی فکریت پر "حسن ظن" غالب ہوتا ہے اور خیر و راحت کے ہمیشہ اللہ جلّ مجہد سے امید بستا رہتے ہیں۔ یہ لوگ صبر کی تاخیر سے فائدہ اٹھا کر منزل تک پہنچنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ زہاد حضرات ہمیشہ جراثیمندانہ اظہار کے عادی لوگ ہوتے ہیں اور درد و الم کو بھی راحت کے رنگ میں پیش کرتے ہیں کیونکہ ان کی نظر اپنے حسن ظن پر رہتی ہے اور خارج سے چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں۔

تیسری قسم کے وہ حضرات ہیں جن کو "اصحاب الارادہ" کی اصطلاح سے یاد کیئے جاتے ہیں۔ یہ وہ افراد ہوتے ہیں جو صرف اور صرف اللہ جلّ مجہد کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی بنیاد پر صبر سے کام لیتے ہیں۔ ان حضرات کی افکار پر "عینیت" کا غلبہ رہتا ہے، فراق اور جدائی سے وحشت رہتی ہے اور خود میں ایک قسم کی کمی محسوس کرتے ہیں اور یہی کمی کو صرف ذات باری تعالیٰ سے پوری کرنے کے متمنی رہتے ہیں۔ اس سے ان کی فکریت پر سکوت طاری رہتی ہے۔ یہ حضرات دراصل مذکورہ "عینیت" اور "سکوت" کے درمیان کشمکش کی حالت میں رہتے اور صبر سے کام لیتے ہیں۔¹⁸

صبر عبادت ہے:

التَّشْبِيْهِ صَبْرٌ كَوَاحِدٍ خَالِصٍ أَوْ مُسْتَقِلٍّ قِسْمٌ كِي عِبَادَتٍ بِمَحْمُولٍ كَرْتِي هِي۔ كِي هِي أَصْلٌ فِي اللّٰهِ جَلَّ مَجْدُهُ كِي طَرْفٍ دِهْيَانٍ أَوْ اِعْتِمَادٍ سِي عِبَارَتٍ هِي۔ التَّشْبِيْهِ كِي وَضَاحَتٍ يِي هِي كِي صَبْرٌ كَوَاحِدٍ تَنَاظُرٍ فِي لِيْنِي كَانَامٍ هِي أَوْ اِسِي اِحْسَاسٍ كِي سَاثَهُ

مقبول ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ صبر میں اپنی نفس کی نفی ہوتی ہے اور خود سے اعلیٰ ذات پر اعتماد اور ان پر عواقب کو چھوڑنے ہوتے ہیں۔ لہذا اس تناظر سے ہٹ کر صبر کو کوئی دوسری شکل دینے سے صبر کی یہ تعبدی تناظر تبدیل ہوتا ہے۔ یعنی صبر دراصل وہ ہونا چاہیے جو عند اللہ مقبول اور محمود ہوتا ہے۔ صبر کی حقیقت اور اصل کو جان کر پھر صبر کے ثمرات کے اعتماد پر بھٹنا چاہیے، یہی وجہ ہے صبر کی نوعیت اور مابیت کو خود صابر کی ظنیات اور توہمات سے پاک ہونا چاہیے۔ یہ نہ ہونا چاہیے کہ بندہ ظن کاذب کی حالت کو صبر پر محمول کر دے۔ جیسا کہ اس حقیقت کی طرف ایک شاعر نے اشارہ کیا ہے:

تبیتن یوم البین انّ اعترامه علی الصبر!

من احدی الظنون الکواذب!

وہ لوگ جنہیں عزائم صبر کے بارے میں ظاہر کرتے تھے آج فیصلہ کن دن نے یہ ثابت کر دیا کہ ان کے یہ عزائم درحقیقت ان کے جھوٹے ظنیات تھیں اور صبر کی بجائے توہم پرستی کے شکار تھے۔¹⁹

صبر کی مختلف صورتیں:

علامہ رازمی صبر کی دو صورتیں ذکر کرتے ہیں: 1 بدنی۔ جو جسم اور بدن کے ذریعہ بوجھ اٹھانے اور سخت کام کرنے پر ہوتا ہے۔ اور اس طرح اعمال شاقہ سرانجام دینا اور شدائد اور آلم کے ضرب اور مارنے پر صبر کرنا ہوتا ہے۔ دوسری صورت نفسانی ہوتی ہے جو یہ اصل میں نفس کو مقتضیات شہوات اور مشتہیات طبع سے منع کرنے کو کہتے ہیں۔ اب اگر یہ نفسانی صورت بطن اور فرج کی شہوت نہ پوری کرنے اور اس پر صبر کرنا ہو تو اس کو پھر "عفت" کہتے ہیں۔ اگر حالت غنی پر صبر کرنا ہو تو اس کو "ضبط النفس" کہتے ہیں۔ اور مالداری پر صبر نہ کرنے اور عدم برداشت کو "بطر" کہتے ہیں۔ اور اس طرح جنگ کی حالت پر صبر کرنے کو "شجاعت" کہتے ہیں۔ اور اس کے متضاد کو "جبن" کہتے ہیں۔ غصہ اور غضب کی حالت میں صبر کرنے کو "حلم" کہتے ہیں۔ اس کے متضاد کو "نزق" کہتے ہیں۔ اور زمانہ کے ناخوشگوار واقعہ پر صبر کرے کو "سعة الصدر" کہتے ہیں اور اس کے متضاد کو "خجر" یا "ندم" اور ضیق الصدر کہتے ہیں۔ اور اگر کسی بات چھپانے پر صبر کرنا ہو تو اس کو "استمان النفس" کہتے ہیں۔ اگر عیش و عشرت سے بچانے پر صبر ہو تو اس کو "زهد" کہتے ہیں۔ اس کے متضاد کو "حرص" کہتے ہیں۔ بقدر کفایت اور اسانی سے میسر مال پر صبر کرنے کو "قناعت" کہتے ہیں اور اس کے متضاد کو: شر" کہتے ہیں۔

لہذا ان تمام احوال اور اقسام کے لئے اللہ جلّ مجدہ نے قرآن مجید میں صرف ایک لفظ، "صبر" کو استعمال کیا۔ ان تمام صورتوں کو صبر میں جمع کر دیا۔

قد جمع الله تعالى اقسام ذلك و سمى الكل صبرا۔²⁰

صبر اور محبوب!

التشیرؑیؑ اس بات سے متفق نظر نہیں آتے کہ کوئی اپنے محبوب سے صبر کا دعویٰ کر بھیئے۔ القشیریؑ کے نزدیک محبوب پر صبر کرنا دراصل احباب کی بہودگی ہے۔ اس طرح مُحب کا اپنے محبوب سے مطمئن بھٹنا حقیقت میں فحش کے ارتکاب کرنے کا مترادف ہے۔ فاحشة الاحباب الصبر علی المحبوب

اس واقعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے محبوب، یوسف علیہ السلام کی فراق پر صبر کا عزم ظاہر کیا کہ فصبر جمیل۔ کہ میرے لیے صبر بہت بہتر ہے لکن بالآخر عزم یعقوبی نے جواب دے کر

فکر، عمل اور شخصیت سازی میں صبر و تحمل کے کردار اور اہمیت کا تحقیقی اور تجرباتی مطالعہ

اس آفسوس کا اظہار کیا کہ، "یا اسنی علی یوسف" ! کہ مجھے یوسف کے بارے میں سخت افسوس ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ احباب اور دوستوں سے صبر اور قناعت کرنے کے عزائم اور ارادے ہمیشہ کمزور اور مکسور ہوا کرتے ہیں۔ کامیابی کے ساتھ اس طرح ارادہ کو پائے تکمیل تک نہیں پہنچایا جاسکتا۔ اس پر کامیاب ہونے کا دعویٰ غیر محفوظ ہے۔

آن عزم الاحباب علی الصبر منقوض غیر محفوظ

اس کی وجہ یہ ہے کہ صبر اصل میں نفس پر "عقل" کی حکمرانی ہوتی ہے، عقل کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ لذات عاجلہ کو چھوڑ کر اس کے مقابلہ میں لذات باقیہ کو حاصل کرنا چاہیے۔ عقل نفس کو منع کرتی ہے اور انتخاب اور عدم انتخاب کا مشورہ دیتی ہے۔ جہاں تک محبوب کے انتخاب کی بات ہوتی ہے یہ اصل میں نفس کا معاملہ نہیں ہوتا بلکہ یہ عقل کا انتخاب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس پہلو میں کسی قسم صدمہ اور منع کا تصور موجود نہیں ہوتا۔ محبوب عقل کے سامنے لذات باقیہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس باب میں صبر مفقود ہے۔²¹

صبر اور انسانی خاصیت:

علامہ رازیؒ اس حوالے سے امام غزالیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صبر صرف انسان کے خواص میں سے ایک خاصہ اور خاصیت ہے۔ صبر بہائم اور ملائکہ میں متصور نہیں۔ جانوروں میں نقصان ہونے کی وجہ سے صبر کا مادہ موجود نہیں ہوتا اور ملائکہ میں کمال ہونے کی وجہ سے صبر مفقود ہے۔ بہائم درجہ نقص میں ہیں اور ملائکہ میں درجہ کمال موجود ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ بہائم پر شہوات کا غلبہ اور تسلط رہتا ہے۔ جانوروں میں شہوات کے معارض بننے کے لئے کوئی عقل موجود نہیں ہوتی۔ لہذا شہوات کو قابو میں رکھنے کے لئے ایک خاص قسم کی قوت اور عقل درکار ہوتی ہے جو شہوات کے مزاج کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ بہائم میں اس ٹھنڈک کا آلہ نہیں ہوتا۔ اسی قوت اور عقل کا دوسرا نام "صبر" ہے۔ جہاں تک ملائکہ کی بات ہوتی ہے وہ ذات ربوبیت کی قربت کی وجہ سے اس کمزوری اور شوق سے مجرد ہوتے ہیں۔ رب سے قربت اور اہتمام کی وجہ سے ان پر شہوات کا غلبہ اور غبار نہیں آتا جو ان کے اور رب کے درمیان حائل بن سکے۔

انسان ابتداء اور آغاز حیات میں حیوانوں کی طرح ناقص ہوتا ہے۔ اس حالت میں اُس پر صرف غذا اور کھانے پینے کی شہوت کا غلبہ رہتا ہے جس کی طرف وہ محتاج ہوتا ہے۔ غذا کی شہوت کے بعد اس میں کھیل و کود کی شہوت ظاہر ہوتی ہے۔ شہوت اللعاب کے بعد انسان میں نکاح کی شہوت جنم لیتی ہے۔ اس حالت میں انسان کے اندر صبر نہیں ہوتا اور اس دوران اس کے اندر متضاد تصورات جنم لیتی ہیں اور یہ تصورات آپس میں قتال اور تصادم کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ شہوات اس سے لذات عاجلہ اور فی الفور پوری کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں اور آخرت سے غفلت کرتی ہیں۔ عقل اس کو روکتی ہے اور فی الفور شہوت پوری کرنے سے اعراض کرتی ہے اور اس کی جگہ عقل لذات روحانیہ کا طلب گار ہوتی ہے۔ عقل دوام اور ثبات کو مطلوب بناتی ہے اور زوال و فنا سے اعراض کرتی ہے۔ عقل مذکورہ اللذات عاجلہ جو وقتی ہوتی ہیں، کو چھوڑنے کا حکم صادر کرتی ہے اور لذات باقیہ جو دائم ہوتی ہیں، کو اپنانے کا تصور دیتی ہے۔ عقل کی یہ حکمرانی نفس پر دراصل "صبر" کی کیفیت ہوتی ہے۔ عقل کے اس امر اور منع کو صبر سے تعبیر کرتے ہیں۔

فَبَسْتُمْ ذٰلِكَ الصَّدَّ وَالْمَنَعَ صَبْرًا۔²²

صبر اور صراط مستقیم:

صراط مستقیم کی تفسیر میں الرازی لکھتے ہیں کہ صراط مستقیم یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سوا تمام امور سے عملی، فکری اور قلبی طور پر اعراض کر کے صرف اللہ جلّ مجدہ کی طرف منتقل ہو جائے۔ اب اهدنا الصراط المستقیم کا معنی یہ ہے کہ اللہ جلّ مجدہ کی راہنمائی طلب کرے۔ وہ صراط مستقیم جو ان اوصاف کے ساتھ متصف ہو جس میں انقیاد اور تسلیم کلی کا عنصر پایا جائے۔ اگر اللہ جلّ مجدہ ولد کو ذبح کرنے کا حکم فرمادے تو اس کو بھی مان لیا جائے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کر کے دکھایا۔ یا یہ حکم ہو کہ خود کو ذبح کرنے کے لئے پیش کرے جیسے اسماعیل علیہ السلام نے مان لیا۔ یا اس بات کا امر ہو کہ خود سے آعلم کی پیروی اور تلمذ اختیار کرے جیسے موسیٰ علیہ السلام کو خضر کا شاگرد بننے کا حکم ہوا۔ یا اس طرح حکم ہو جائے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے باب میں قتل ہونے اور دو ٹکڑے ہونے پہ بھی راضی ہو جائے تو اس میں بھی تامل نہ رہے۔ جیسے یحییٰ اور زکریا علیہما السلام نے قبول کیا۔

تو اب صراط مستقیم سے مراد انبیاء علیہم الرحمۃ کا شہادت اور بلاء کے نزول کے وقت اختیار کردہ "صبر" اور تحمل کو اختیار کرنے اور ان کے مذکورہ صبر کی تقلید کرنے کی کوشش اور تمثیل ہے۔ اگرچہ اس طرح تمثیل اور کوشش کرنا عام بندوں کی بس کی بات نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مقام دعا ہے اور بعد میں صراط مستقیم کو اللہ جلّ مجدہ نے منعم علیہم سے بیان فرمایا اور حقیقت ہی میں اللہ جلّ مجدہ کی رحمت و سبوح ہے۔

اهدنا الصراط المستقیم هو الاقتداء بآباء اللہ فی الصبر علی الشدائد و الثبات عند نزول البلاء۔²³

تفکر

عامر ابن عبد القیس کا قول ہے کہ میں نے کئی اصحاب رسول سے سنا ہے کہ ضیاء الایمان اور نور الایمان دراصل انسان کا "تفکر" ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ اے ابن آدم کے کمزور بیٹے! جہاں بھی تم رہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو! اور دنیا میں مہمان کی طرح رہو! مساجد کو اپنا گھر بناؤ! اور اپنی آنکھوں کو رونے و آشک و آنسو بہانے کی تعلیم دو! اور اپنے جسم کو صبر کرنے کی عادت دلواؤ! اور "دل" کو فکر کرنے اور تفکر کا طریقہ سمجھاؤ! اور کل کی رزق کے لئے آج سے فکر میں ڈالنے کی چند ان ضرورت نہیں۔

ابراہیم بن ادھم کے مراکب

رازیؒ ابراہیم بن ادھمؒ کی حکایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن ادھمؒ بیت اللہ کی زیارت کرنے جا رہے تھے اور راستے میں ایک آعرابی، بدو سے ملاقات ہوئی۔ آعرابی نے اپنی اونٹنی سامنے کر کے کھڑی کر دی اور ادھمؒ سے پوچھا کہ اے شیخ کہا جانے کا خیال ہوا ہے؟ ابراہیمؒ نے جواب میں کہا کہ حج کرنے کا ارادہ ہے۔ بدو حیران ہو کر کہنے لگا کہ نہ کوئی سواری، نہ کھانے پینے کا بندوبست اور نہ اس طویل سفر کی کوئی تیاری!؟ آپ تو مجھے بالکل پاگل اور مجنون معلوم ہوتے ہو!؟ ابراہیم بن ادھمؒ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس بے شمار سواریاں اور مراکب موجود ہیں لیکن صرف تجھے نظر نہیں آتیں! آعرابی نے پوچھا کہ پھر کہاں ہیں آپ کی سواریاں؟ ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا کہ جب مجھ پر کوئی مصیبت، بلاء اور تکلیف نازل ہوتی ہے تو پھر میں صبر کی سواری کا سہارا لیتا ہوں۔ اور جب مجھے کوئی نعمت مل جاتی ہے تو پھر میں شکر کو سواری بناتا ہوں۔ جب مجھ پہ کوئی قضا اور تقدیر کا فیصلہ آتا ہے تو پھر میں رضا کی سواری پر سوار ہوتا ہوں۔ جب مجھے نفس کسی چیز کی طرف

فکر، عمل اور شخصیت سازی میں صبر و تحمل کے کردار اور اہمیت کا تحقیقی اور تجرباتی مطالعہ

متوجہ کرتی ہے تو میں یوں سوچنے لگتا ہوں کہ عمر کا اکثر حصہ گزر گیا ہے اور جو باقی ہے وہ گزر ہوئے سے کم ہے تو پھر میں روک جاتا ہوں۔

اعرابی نے کہاں کہ اللہ جلّ مجدہ کے اذن سے چل پڑ حقیقت میں آپ سواری پر ہے اور میں پیدل جا رہا ہوں۔!
"سر باذن اللہ فأنت الراكب و أنا الراجل"²⁴

نتائج البحث:

1. فطرت کی خیر اور شر کے بارے میں فلاسفہ اور علماء کے الگ الگ اقوال موجود ہیں۔ افلاطون نے فطرت کو خیر و شیر دونوں کا مصدر قرار دیا۔ جبکہ بعض نے فطرت کو خیر اور شر کے تصور سے مجرمان لیا اور قرآن مجید نے فطرت کو حسن اور جمال کے ضمن میں لیا۔ اگرچہ علامہ رازی نے دنیا کو معدن الاخران بھی قرار دیا جبکہ مولانا ابوالکلام آزاد فطرت کو حسن اور جمال کی نفسیات میں دیکھتے ہیں۔
2. یہاں بنیادی فرق فطرت اور فطری کا ہے۔ کیونکہ فطری بظاہر احوال کا شکار رہتا ہے، ضروری نہیں کہ یہی بات من و عن فطرت میں بھی موجود ہو۔ لہذا ہم ان تصورات میں ہوتے ہوئے فطرت اور فطری دونوں حقائق سے چشم پوشی نہیں کر سکتے۔ جس میں انسان خود کو مشکل میں ہونے کا احساس ضرور کرتا ہے، اگرچہ ارتقاء میں یہ حقیقت کی بجائے لاعلمی سے کچھ زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔
3. ارتقاء کے اس سفر میں مجموعی طور پر انسان ان اطراف سے مشکل کا احساس کرتا ہے، یعنی، مشکل کبھی معاشی ہوتی ہے اور کبھی نظریاتی ہوتی ہے اور کبھی سماجی اور کبھی نفسیاتی۔ مشکل سے زیادہ مشکل کا حل اہم ہے۔ حل کے ادراک کے ساتھ ہی مشکل دور ہو جاتی ہے۔ مشکل اس لئے مشکل بن جاتی ہے کہ یا اس کے حل کا ادراک نہیں ہو پاتا یا مشکل کی نوعیت میں خلط ملط ہو جاتی ہے۔ معاشی مشکل کا حل بھی معاشی ہوگا جبکہ نظریاتی مشکل کا حل بھی نظریات میں تلاش کرنا ہوگا۔ اس پورے جستجو میں میں کامیابی تک کے سفر میں صبر اور تحمل کا کلیدی کردار ہے۔



This work is licensed under a [Creative Commons Attribution 4.0 International License](https://creativecommons.org/licenses/by/4.0/).

حوالہ جات

¹الزمر: ۱۰

Al-Zumar, Verse: 10

²عبدالکریم بن ہوازن، لطائف الاشارات = تفسیر التیسری، ت: ابراہیم البسیونی، المدینۃ المصریہ العالمیۃ للکتاب - مصر، ج: ۱، ص: ۲۲۴
'bd al Karīm Bin hwāzin, Laṭā'if Al-Ishārāt, Tafsīr Al-Q, shairī, (Al-Hy, at Al-Miṣriya Al-'āmat Lil-kitāb, Egypt), Vol:01, PP:224

³فخر الدین الرازی، محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، دار احیاء التراث العربی - بیروت، طبع: سوم، ۱۴۲۰ھ، ج: ۴، ص: ۱۳۱
Fakhr al Dīn Al-Rāzī, Muḥammad bin 'umar, Mafātiḥ al-ghyib, (Dar Ihya, Al-Turāth al-'rabī,

Beirūt, Edition: 3rd, 1420 ah), Vol:04, PP:131

⁴ مفاتيح الغيب، ج: ٣، ص: ٢٩٠

Mafātīh al-ghyb, Vol:03, PP:490

⁵ الفاسى، احمد بن محمد، البحر المديد فى تفسير القرآن المجيد، ت: احمد عبد الله القرشى رسلان، الدكتور حسن عباس زكى - قاهره، ج: ١، ص: ١٠٢
Al-Fāsī, Aḥmad bin Muḥammad, Al-Baḥr Al-Madīd fī tafsīr Al-Qurān Al-Majīd, (Qāhirah, Egypt), Vol:01, PP:102

⁶ ابراهيم القطن، تيسير التفسير للقطن، ج: ١، ص: ٦٩

Ibrāhīm Al-Qṭān, Taysīr al-tafsīr lil-Qṭān, Vol:01, PP:69

⁷ عبد العزيز السلطان، انوار الساطعات، ج: ١، ص: ٤٢

'bd al-'zīz al-salmān, Anwār al-Sāṭ'at, Vol:01, PP:74

⁸ مفاتيح الغيب، ج: ٣، ص: ١٣١

Mafātīh al-ghyb, Vol:04, PP:131

⁹ البحر المديد، ج: ١، ص: ١٠٢

Al-Baḥr Al-Madīd, Vol:01, PP:102

¹⁰ ايضاً

Ibid

¹¹ ايضاً، ص: ١٤

Ibid, PP:17

¹² البحر المديد، ج: ١، ص: ١٨٤

Al-Baḥr Al-Madīd, Vol:01, PP:187

¹³ ايضاً

Ibid

¹⁴ مفاتيح الغيب، ج: ١، ص: ١٣١

Mafātīh al-ghyb, Vol:01, PP:131

¹⁵ البحر المديد، ج: ١، ص: ١٨٤

Al-Baḥr Al-Madīd, Vol:01, PP:187

¹⁶ الشورى: ٢٣

Al-Shūrā, Verse:43

¹⁷ لطائف الاشارات، ج: ١، ص: ٢٢٢

Latā'f Al-Ishārāt, Vol:01, PP:224

¹⁸ ايضاً

Ibid

¹⁹ ايضاً

Ibid

²⁰ مفاتيح الغيب، ج: ٣، ص: ١٣١

Mafātīh al-ghyb, Vol:04, PP:131

²¹ لطائف الاشارات، ج: ١، ص: ٢٢٢

Latā'f Al-Ishārāt, Vol:01, PP:224

²² مفاتیح الغیب، ج: ۴، ص: ۱۳۰

Mafātīh al-ghyb, Vol:04, PP:130

²³ ایضاً، ج: ۱، ص: ۲۱۸

Ibid, Vol:01, PP:218

²⁴ ایضاً، ج: ۱، ص: ۲۱۹

Ibid, Vol:01, PP:219